POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 10-11 September 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان

اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 09-09-2024 • Price: 5/- • 15-21 September 2024 • Issue: 35 • Vol:83

۱۵تا۲۱ستمبر۲۰۲۴ء • شمارہ:۳۵ • جلد:۸۳

صحتِ زبان (۱۷)

رؤف پاریکھ

☆ اہالیان، اہلیان یا اہل؟

معروف مزاحیہ شاعر دلاور فگار (مرحوم) نے ایک تقریب میں منتظمین کی جانب سے 'اہلیانِ کراچی' کی ترکیب استعمال کرنے پر مزاحاً کہا کہ ''اہلیان اہلیہ کی جمع ہوسکتی ہے، اسی لیے جب کوئی کہتا ہے کہ اہلیانِ کراچی تو ہم سمجھتے ہیں کراچی کی بیویاں''۔ ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ صحیح لفظ اہلیان نہیں بلکہ اہالیان ہے (اب ایسے شاعر بھی چند ہی رہ گئے ہیں جو زبان کی ایسی باریکیوں کا خیال کریں)۔ عربی لفظ ہے 'اہل'، اس کی جمع 'اہالی' ہے۔ اس کی جمع الجمع 'اہالیان' ہے۔ اردو لغت بورڈ کی 'اردو لغت (تاریخی اصول پر)' کے مطابق 'اہل' کے معنی ہیں: صاحب، رکھنے والا یا والے نیز لوگ، باشندے[1]۔

اول تو لفظ 'اہل' میں جمع کا مفہوم موجود ہے، اس لیے اہلِ کراچی کہنا کافی ہے۔ یا جمع کا صیغہ لانا ہے تو اہالیانِ کراچی کہنا اور لکھنا چاہیے۔ اسی طرح اہلِ محلّہ یا اَہالیانِ محلّہ درست ہے اور اہلیانِ محلّہ درست نہیں۔ البتہ احسان دانش کی رائے ہے کہ اہالیان بھی غیر ضروری ہے اور یہ جمع الجمع بے ضرورت بنالی گئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اہل کافی ہے اور اہلِ پنجاب درست اور اہالیانِ پنجاب غلط ہے[2]۔

اس قیاس پر اہلِ لاہور، اہلِ وطن، اہلِ زباں، اہلِ علم، اہلِ خانہ، اہلِ کتاب وغیرہ کی تراکیب اردو میں رائج ہیں۔ اسی طرح اہلِ صفا یعنی نیک لوگ، صاف دل لوگ جو کسی سے کینہ نہ رکھتے ہوں، پاک باطن لوگ۔ البتہ اردو لغت بورڈ کی بائیس جِلدی لغت میں 'اہلِ صفا' کی ترکیب کا اندراج نہیں ہے۔ اندراج تو خیر اس لغت میں لفظ 'بے وقوف' کا بھی نہیں ہے۔

☆ دست کاری یا دس تکاری؟

اردو میں لفظوں کو ملا کر لکھنے کا جو رجحان ہے اس سے بسا اوقات تلفظ میں بڑی گڑ بڑ ہوجاتی ہے اور اسی لیے رشید حسن خان اور بعض دیگر علمائے زبان لفظوں کو توڑ کر لکھنے کے قائل ہیں۔ مثلاً مجنوں گورکھ پوری کو جب ملا کر مجنوں گورکھپوری لکھا جاتا ہے تو بچے گورکو الگ اور کھپوری کو الگ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح دست کاری کو جب ملا کر دستکاری لکھا جاتا ہے تو بچے اسے دس تکاری پڑھتے ہیں۔

بچے تو خیر بچے ہیں لیکن اب ٹی وی پر خبریں پڑھنے والے بھی اسے 'دس تکاری' ہی بولتے ہیں۔ کل کو کوئی پوچھ لے گا کہ بھئی دس ہی کیوں؟ بیس تکاری کیوں نہیں؟ کیوں کہ انھیں علم ہی نہیں کہ دست فارسی میں ہاتھ کو کہتے ہیں اور دست کاری کے معنی ہیں ہاتھ کا کام۔ اسی لیے ان الفاظ کو توڑ کر یعنی دست کار اور دست کاری لکھنا بہتر ہے، اگرچہ دستکار اور دستکاری بھی درست املا ہے۔

☆ دست گیر یا دس تگیر؟

اسی طرح ایک لفظ ہے دست گیر۔ کراچی میں ایک علاقہ ہے دست گیر کالونی جس کا نام اب مختصر ہوکر صرف دست گیر ہوگیا ہے۔ لیکن شاید ہی کوئی اسے 'دست گیر' بولتا ہو کیوں کہ اسے عام طور پر ملا کر یعنی دستگیر لکھا جاتا ہے اور اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اسے 'دس تگیر' پڑھتے ہیں۔ یہاں بھی فارسی کا دست یعنی ہاتھ ہے اور 'گیر' فارسی کے گرفتن یعنی پکڑنا سے ہے، گیر کا مطلب ہے پکڑنے والا۔ گویا دست گیر کے معنی ہیں ہاتھ پکڑنے والا۔ مرادی یا مجازی معنی ہیں مددگار، حامی و ناصر۔ اللہ تعالی کو بھی کہتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کی دست گیری کرے اور آپ لفظوں کا درست املا لکھا کریں۔

☆ دوا یا دوائی؟

بعض لوگوں کو لفظ 'دوائی' بولتے سنا تھا اب اس طرح کچھ لوگ لکھنے بھی لگے ہیں اور اس کی جمع 'دوائیاں' بھی بنالی جاتی ہے، حالاں کہ دوائی کوئی لفظ نہیں۔ صحیح لفظ دوا ہے۔ دوا عربی کا لفظ ہے۔ عربی میں اس کی جمع ادویہ ہے اور جمع الجمع ادویات۔ 'دوا' کہنا کافی ہے۔ اس کے آگے 'ئی' لگانے کا کیا جواز ہے؟

اردو کے لحاظ سے دوا کی جمع دوائیں بنے گی۔ دوا کی جمع دوائیاں نہیں ہے۔ اسی طرح ہوا سے ہوائیں، وفا سے وفائیں اور سزا سے سزائیں بنے گا، نہ کہ ہوائیاں، وفائیاں اور سزائیاں۔ ہاں اگر کسی لفظ کے آخر میں 'ئی' ہو تو جمع میں 'ئیاں' آسکتا ہے، جیسے بے وفائی کی جمع بے وفائیاں ہوسکتی ہے، جیسے ہوائی کی جمع ہوائیاں ہے اور اسم کے لحاظ سے (یعنی صفت سے قطع نظر) ہوائی کے کئی مطلب ہیں مثلاً ایک طرح کی آتش بازی، پستے بادام کی کترنیں (جو کھیر یا فیرنی وغیرہ پر چھڑکی جاتی ہیں) اور اس کے علاوہ اُڑائی ہوئی خبر اور افواہ کو بھی ہوائی کہتے ہیں، یعنی جھوٹی بات، بے پَر کی۔ کیا شعر یاد آگیا:

مجھ میں اور ان میں، سبب کیا جو لڑائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی

اور لڑائی کی جمع لڑائیاں۔ لیکن دوا کی جمع دوائیں نہ کہ دوائیاں۔ اسی طرح محرف حالت میں دوا کی جمع دواؤں، نہ کہ دوائیوں۔

☆ 'کا شکریہ' یا 'کے لیے شکریہ'؟

ایک اور بدعت جو زبان کے معاملے میں جائز تصور کرلی گئی ہے وہ کسی انگریزی محاورے یا روزمرہ کا لفظی اردو ترجمہ ہے۔ مثلاً اردو میں جب کسی چیز یا کام کا شکریہ ادا کرنا ہو تو کہا جاتا ہے 'کا شکریہ'۔ جیسے کتاب کا شکریہ، تشریف لانے کا شکریہ، انتظار کرنے کا شکریہ۔ لیکن اب ہم ٹی وی پر بھی اور عام گفتگو میں بھی کچھ اس طرح کے جملے سنتے ہیں کہ 'کتاب کے لیے شکریہ' یا 'انتظار کرنے کے لیے شکریہ'۔ اردو روزمرہ کے لحاظ سے یہ بالکل غلط ہے اور غالباً انگریزی کی ترکیب Thank you for کا لفظی ترجمہ ہے جو اردو میں بہت بھونڈا معلوم ہوتا ہے۔ صحیح استعمال ہوگا 'کا' شکریہ۔ بہرحال، اس تحریر کو یہاں تک پڑھنے 'کا' شکریہ۔

☆ مُجاز یا مَجاز؟

دونوں درست ہیں لیکن دونوں کا مفہوم اور استعمال الگ ہے۔ مَجاز (میم پر زبر کے ساتھ) کا مفہوم ہے: وہ جس کا وجود حقیقی نہ ہو، یہ حقیقت کی ضد ہے[3]۔ اسی سے 'مَجازی' کا لفظ بنا یعنی جو اصلی نہ ہو، جو حقیقی

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

نہ ہو، جو غیر مادّی ہو۔ عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کی تراکیب سے شعر و ادب کے شائقین واقف ہیں۔ ولی دکنی کا مشہور شعر ہے:

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

لیکن گڑبڑ یہ ہوتی ہے کہ جہاں مُجاز (میم پر پیش کے ساتھ) بولنا ہو وہاں بھی مَجاز (میم پر زبر کے ساتھ) بول دیا جاتا ہے۔ مُجاز ('م' پر پیش) کے معنی ہیں: جس کو اجازت دی گئی ہو، جس کو اختیار یا حق دیا گیا ہو[4]، وہ جو کوئی ضابطہ نافذ کرنے کا اختیار یا authority رکھتا ہو۔ اسی لیے جس افسر کے پاس اختیار ہوتا ہے اسے 'افسرِ مُجاز' کہتے ہیں۔ اسے افسرِ مَجاز بولنا غلط ہے۔

☆ مُصوِّر یا مُصوَّر؟

عربی الفاظ کے تلفظ میں بعض اوقات بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے کیوں کہ عربی میں اکثر زیر اور زبر کے فرق سے مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اور فاعل اور مفعول کا بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً مُصوَّر اور مصوِّر۔ اگر اس میں واو کے نیچے زیر لگا کر مصوِّر پڑھا جائے تو اس کا مطلب ہوگا جو صورت بنائے، صورت بنانے والا، صورت گر، اللہ تعالیٰ کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن شریف کی سورۃ حشر کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ کے جو اچھے نام (اسماء الحسنیٰ) آئے ہیں ان میں سے ایک مصوِّر بھی ہے۔ مصوِّر کا ایک مفہوم "تصویر بنانے والا" بھی ہے اور نقّاش بھی[5]۔ لیکن اگر اس لفظ میں واو پر زبر پڑھا جائے یعنی مصوَّر تو اس کا مطلب ہوگا: جس کی تصویر بنائی جائے، جس کی تصویر بنائی گئی ہو، یا (کاغذ وغیرہ) جس پر تصویر بنائی گئی ہو[6]، تصویر والا، رسالہ یا کتاب وغیرہ جس میں تصویر ہو، باتصویر۔ اسی لیے جس رسالے میں تصویریں ہوں اسے 'مصوَّر رسالہ' کہتے ہیں۔ اسے مصوِّر (واو کے نیچے زیر) رسالہ پڑھنا غلط ہوگا۔ جس کاغذ پر تصویر بنی ہوئی ہو اسے بھی مصوَّر (واو پر زبر) کہتے ہیں۔ میر تقی میر کا شعر ہے:

دلّی کے نہ تھے کُوچے، اوراق مصوَّر تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

یہاں بھی واو پر زبر ہے۔

☆ مُنتظِر یا مُنتظَر؟

ایسا ہی ایک لفظ 'مُنتظِر' (ظوے کے نیچے زیر) ہے جس میں زیر اور زبر کے فرق سے فاعل اور مفعول کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ منتظِر (ظوے کے نیچے زیر) کے معنی ہیں جو انتظار کرے، انتظار کرنے والا۔ لیکن اگر یہاں ظوے کے نیچے زیر کے بجائے اس پر زبر لگا دیا جائے یعنی اسے 'مُنتظَر' پڑھا جائے تو اس کا مطلب ہوگا وہ جس کا انتظار کیا جائے۔ لیکن اس سلسلے میں احتیاط نہیں کی جاتی اور اقبال کے مشہور شعر:

کبھی اے حقیقتِ منتظَر! نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

میں بھی منتظَر کو منتظِر (یعنی 'ظ' پر زبر کی بجائے اس کے نیچے زیر) پڑھا جاتا ہے جس سے مفہوم خبط ہو کر رہ جاتا ہے۔ غلام رسول مہر نے بانگِ درا کی شرح 'مطالبِ بانگِ درا' کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس میں وہ مندرجہ بالا شعر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "حقیقتِ منتظَر: وہ حقیقت جس کا انتظار کیا جائے، ذاتِ خداوندی"۔ پھر مفہوم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں "اے خدا کبھی مادّی لباس میں بھی جلوہ دِکھا"[7]۔ گویا اللہ تعالیٰ منتظَر (ظوئے پر زبر کے ساتھ) ہیں اور ہم منتظِر (ظوئے کے نیچے زیر کے ساتھ) ہیں۔ اللہ ہمارا انتظار نہیں کر رہا بلکہ ہمیں اس کا انتظار ہے، وہ منتظَر ہے۔ ہم اس کا انتظار کر رہے ہیں، ہم منتظِر ہیں کہ کب اس کا جلوہ دِکھائی دے۔

گویا اگر میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں تو میں منتظِر ہوں اور آپ منتظَر ہیں۔ اندازہ کیجیے کہ زیر اور زبر کے فرق سے مفہوم کیسے زیر و زبر ہو جاتا ہے۔

☆ موقِف یا موقَف؟

آج کل ٹی وی پر میزبان جب کسی ماہر (یا غیر ماہر) سے ان کی رائے یا کسی مسئلے پر ان کا نقطۂ نظر جاننا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں اس سلسلے میں آپ کا موقَف (قاف پر زبر) کیا ہے؟ لیکن یہ تلفظ، یعنی ق پر زبر کے ساتھ، غلط ہے۔ اس کا صحیح تلفظ موقِف (قاف کے نیچے زیر) ہے۔

موقِف عربی کا لفظ ہے۔ یہ اسمِ ظرف ہے اور اس کے معنی ہیں: کھڑے ہونے کی جگہ، مقام نیز عمل، رویہ، پالیسی[8]، خیال، اندازِ نظر۔ دراصل کوئی شخص جہاں کھڑا ہوتا ہے وہاں سے اسے مختلف چیزیں ایک خاص زاویے سے نظر آتی ہیں اور اسی سے موقِف کے دوسرے معنی پیدا ہو گئے یعنی زاویۂ نگاہ، اندازِ فکر، نقطۂ نظر، سوچ، خیال۔ گویا معنی تو درست ہیں لیکن تلفظ غلط ہے۔ درست تلفظ میں "ق" کے نیچے زیر ہے یعنی موقِف۔

☆ ناتا یا ناطہ؟

اس کا درست املا ناتا ہے۔ طوے (ط) عربی الفاظ میں آتی ہے اس لیے اسے ناطہ لکھنا غلط ہے کیوں کہ ناتا خالصتاً مقامی لفظ ہے۔ ناتا عربی کا لفظ ہرگز نہیں ہے۔ اسے آپ دیسی لفظ یا ہندی یا اردو کا لفظ کہہ لیجیے۔ لہٰذا اس کے املا میں 'ط' کا کوئی کام نہیں۔ اس کا درست املا 'ناتا' ہے۔ اس کے مرکبات مثلاً رشتہ ناتا، ناتا جوڑنا، ناتا توڑنا وغیرہ میں بھی 'ت' ہی لکھنا صحیح ہے۔ اس ضمن میں رشید حسن خاں صاحب کا بھی یہی موقِف تھا[9]۔

☆ ہراسگی کوئی لفظ نہیں ہے

آج کل لفظ 'ہراسگی' اخبارات بہت لکھ رہے ہیں حالاں کہ ضبطگی کی طرح ہراسگی بھی کوئی لفظ نہیں ہے۔ جس طرح ضبطگی غلط اور ضبطی درست لفظ ہے اسی طرح ہراسانی درست لفظ ہے۔ ہراسگی کوئی لفظ نہیں ہے، نہ فارسی میں نہ اردو میں۔

فارسی میں ایک مصدر ہے ہِراسیدن یعنی ڈرنا اور دوسرا مصدر ہے ہِراسانیدن یعنی ڈرانا[10]۔

اسی سے ایک لفظ ہے ہِراس (یعنی 'ہ' کے نیچے زیر کے ساتھ)، اس کے معنی ہیں ڈر۔ اسی لیے اردو میں 'خوف و ہراس' کی ترکیب عام استعمال ہوتی ہے۔ جو خوف زدہ، یعنی ڈرا ہوا ہو، اسے ہِراساں کہتے ہیں، اسی سے ہراساں کرنا اور ہراساں ہونا جیسے مرکبات بنے ہیں۔ ہِراسہ فارسی میں خوف کو بھی کہتے ہیں اور اس انسان نما پُتلے کو کہتے ہیں جو کھیتوں میں پرندوں کو ڈرانے کے لیے کھڑا کیا جاتا ہے تاکہ وہ ڈر کر فصل کو نقصان نہ پہنچائیں[11]۔ اسے اردو میں بجوکا (ب مکسور، واو معروف) کہتے ہیں اور اس کے اور نام بھی ہیں جیسے بجھ کاگ، بِڈارا (ب مکسور)، ڈراوا اور ڈراونا اور اس کا انگریزی نام scarecrow ہے۔

ہراساں ہونے یا کرنے کی کیفیت یا حالت یا عمل کو ہراسانی کہتے ہیں۔ آج کل ہراساں کیے جانے کا بڑا چرچا ہے اور بالخصوص خواتین اس سلسلے میں مقدمات بھی دائر کر رہی ہیں۔ جنسی طور پر یا ویسے ہی ستائے جانے کو انگریزی میں ہیرسمنٹ (harassment) کہتے ہیں۔ اردو میں اب اس کے لیے ہراسانی کا لفظ عام استعمال ہونے لگا ہے لیکن بعض لوگ غلطی سے اسے ہراسانی کی بجائے 'ہراسگی' لکھ رہے ہیں۔ لیکن درست لفظ ہراسانی ہے۔

اس ضمن میں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ 'گی' ایک لاحقہ ہے جو اسمیت اور وصفیت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جن فارسی الفاظ کے آخر میں 'ہ' ہو ان سے اسمیت یا وصفیت بنانے کے لیے 'ہ' ہٹا کر 'گی' لگا دیتے ہیں، جیسے خستہ سے خستگی، آراستہ سے آراستگی، آلودہ سے آلودگی، خانہ سے خانگی، گندہ سے گندگی اور زندہ سے زندگی وغیرہ۔ اس کی اور بھی مثالیں ہیں جن میں سے کچھ وحیدالدین سلیم نے اپنی کتاب 'وضعِ اصطلاحات' میں درج کی ہیں[12]۔ یہاں مزید تفصیل دینا ممکن نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ چوں کہ ہراساں کے آخر میں 'ہ' نہیں ہے لہٰذا اس سے ہراسگی نہیں بن سکتا ہے اور درست لفظ ہراسانی ہے۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح حیران سے حیرانی بنے گا نہ کہ حیرانگی۔

حواشی:

۱۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول (کراچی: اردو لغت بورڈ، 1977)۔
۲۔ لغات الاصلاح (لاہور: مکتبۂ دانش، 1952)، ص99۔
۳۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد 17 (کراچی: اردو لغت بورڈ، 2000)۔
۴۔ ایضاً۔
۵۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد 18 (کراچی: اردو لغت بورڈ، 2002)۔
۶۔ ایضاً۔
۷۔ غلام رسول مہر، مطالبِ بانگِ درا (لاہور: شیخ غلام علی، 1976)، ص344-345 (اشاعتِ پنجم)۔
۸۔ فرہنگِ آصفیہ، جلد 4 (مرتبہ سید احمد دہلوی)، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 1977)؛ نیز القاموس الوحید (مرتبہ وحید الزماں قاسمی کیرانوی)، (لاہور: ادارۂ اسلامیات، سنہ ندارد)۔
۹۔ اردو املا (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، 1998)، ص126، 131، 132 (دوسرا اڈیشن)۔
۱۰۔ فرہنگِ جامع: فارسی بہ انگلیسی و اردو (مرتبہ سید علی رضا نقوی)، (اسلام آباد: رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران، 1382ھ ش) (چاپ دوم)۔
۱۱۔ ایضاً۔
۱۲۔ (کراچی: انجمن ترقیِ اردو، 1965)، ص134 (اشاعتِ سوم)۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
سابق پروفیسر، شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی
drraufparekh@yahoo.com

چند فکری و تاریخی عنوانات
پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن
قیمت: 400 روپے

کلّیاتِ خطباتِ شبلی
ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
قیمت: 400 روپے

انور عظیم کی ادبی کائنات
فیضان الحق
قیمت: 700 روپے

اُردو کی سُپاری

محمد اسد اللہ

سنا ہے کسی زمانے میں لوگوں کو اپنی زبان کا اس قدر پاس تھا کہ 'پران جائے پر وچن نہ جائے' کہہ کر وعدہ نبھانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتے تھے۔اہلِ اردو نے اس سے آگے ایک قدم بڑھایا اور زبان سے مراد وچن یا زبان (جیبھ) نہ لیتے ہوئے اردو زبان ہی کو ستیہ بچن جان کر اس پر اپنی جان قربان کرنے کی ٹھان لی۔کبھی خونِ دل میں انگلیاں ڈبولیں تو کبھی خونِ جگر سے اس کے ادب کی آبیاری کی۔

خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت

ایک شعری مجموعہ ہماری نظر سے گزرا جس کے بارے میں کسی نے بتایا کہ شاعر نے اپنی بیوی کے زیورات بیچ کر اسے زیورِ طبع سے آراستہ کیا تھا۔ایک اور شاعر نے اپنا گھر بیچ کر یہ کارنامہ انجام دیا۔البتہ اسی کے پہلو بہ پہلو یہ خبر بھی آئی کہ ایک صاحب کو ریاستی اردو اکادمی نے کتاب چھپوانے کے لیے رقم مہیا کی تھی،انھوں نے کتاب چھپوانے کے بجائے بھینس خرید لی اور فرہاد کی روایت کو زندہ کر دیا۔انھیں اکادمی نے نوٹس بھجوایا تو جواب لکھا کہ میرے حالات ناگفتہ بہ ہیں شعری مجموعہ شائع کر کے خاک فائدہ!

(اردو آج کل کوئی پڑھتا نہیں، کتابیں گھر میں پڑی پڑی کیا دودھ دیں گی؟)اردو شاعروں کی مدد کرنا بھی اکادمی کے فرائض میں شامل ہے۔میری معاشی حالت بد سے بدتر ہے۔میں نے اس رقم سے ایک بھینس خرید لی ہے اور اب میرا کاروبار اچھا چل رہا ہے۔اس جزوی مالی تعاون کے لیے شکر گزار ہوں۔اکادمی کے اربابِ اقتدار نے بھی 'گئی بھینس پانی میں' کہہ کر اس معاملے کو رفع دفع کر دیا۔

اس قسم کے واقعات کو تو استثنا ہی سمجھنا چاہیے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر چند رام بابو سکسینہ اور ان جیسے مورخین نے اردو کی تاریخ روشنائی سے لکھی، ہزاروں قلم کاروں نے اسے رقم کرنے میں اپنا خونِ جگر صرف کیا ہے۔اس زبان کی ترویج و بقا کے لیے وہ ہمیشہ سینہ سپر رہے ہے۔

زبان تہذیب کا ایک اہم جزو ہے،قوم کا شناخت نامہ ہے، زبان کی ترویج و بقا کو قومی فریضہ سمجھا جاتا ہے۔کسی بھی ملک پر ہونے والے بیرونی حملے کے نتیجے میں تحفظ کی خاطر جو جنگ لڑی جاتی ہے اس کا مقصد صرف شہریوں کی جان مال اور زمینوں کی حفاظت ہی نہیں بلکہ اپنے قومی سرمایے، عزّت و ناموس کا تحفّظ بھی اس میں شامل ہے۔دنیا کی تمام قومیں بجا طور پر اپنی زبان کو سرمایۂ افتخار سمجھتی ہیں۔عربوں کو اپنی زبان کی برتری پر اس قدر ناز تھا کہ اس زبان کے سبب یہ خیال کرتے تھے کہ بولنا صرف انھیں آتا ہے پوری دنیا کے لوگ عجمی یعنی گونگے ہیں۔مشہور مجاہدِ آزادی اور انگریزی کی شاعرہ سروجنی نائیڈو نے اپنی ابتدائی تخلیقات ایک انگریز کو دکھائیں تو اس نے تعجّب و تعصّب کے ساتھ یہ کہا تھا: 'انگریزی میں تم شاعری کروگی، یہ تو ہماری زبان ہے!' اس جذبۂ افتخار سے اہلِ اردو بھی خالی نہیں:

گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے (میرؔ)

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

اگر اردو کا علاقہ اسی طرح سمٹتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب گِنے چُنے لوگ یہ کہتے رہ جائیں گے:

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ ۔۔۔

یعنی اس زبان کو بس ہمیں جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

میر تقی میرؔ اور مرزا غالبؔ جنھوں نے اردو زبان کو تخلیقی بلندیوں سے ہمکنار کیا اور اس کے ادب میں جان ڈالی، زندگی بھر طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔مرزا غالبؔ زندگی کی اذیتوں سے تنگ آ کر بار بار اپنی موت کی تاریخیں نکالا کرتے تھے۔برٹش امپائر کے ظلم و ستم سے نبرد آزما ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں نے اپنی بے سر و سامانی اور کسمپرسی کے باوجود قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے ہوئے اس زبان کو اپنے خونِ جگر سے سینچا۔بادِ مخالف کے خلاف چراغ جلانے والوں میں مولوی محمد باقر، مولانا ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی اور اردو کے بے شمار قلمکاروں کے رشحاتِ قلم سے اردو کا دامن اب بھی مالا مال ہے۔ان کے قدم بہ قدم اردو کے شیدائیوں کا ایک کارواں چلا تھا اور چل رہا ہے، ناموافق حالات میں اردو کے چاہنے والوں نے اپنے آپ کو ایک ڈھال بنا کر پیش کیا، اسی لیے آج بھی یہ زبان زندہ ہے۔یہ شیریں اور مقبول زبان ان جیالوں کی جاں سپاری کا ثمرہ ہے۔ان ہی کے بل پر یہ چراغ روشن رہے گا۔

لیکن اردو کے میر جعفر اور میر صادق اور مادھو اور گھیسو سے خبر دار! (مادھو اور گھیسو، پریم چند کے مشہور افسانے 'کفن' کے دو کردار ہیں جو شراب کے لیے اپنی بیوی اور بہو کا کفن تک بیچ کر کھا جاتے ہیں۔) اردو کے سینے میں خنجر گھونپنے والے دستانے میں آخر ہاتھ کس کا ہے یہ دیکھنا اور اسے بے نقاب کرنا بھی ضروری ہے۔اردو کو تخلیقی سطح پر پروان چڑھانے والوں کی کمی نہیں لیکن جب اردو بولنے اور لکھنے پڑھنے والا طبقہ ہی نہیں رہے گا تو آپ یہ تخلیقات کس سے اور کس طرح پڑھوائیں گے۔

آج اردو میں لکھنے والوں کو عام طور پر معاوضہ نہیں ملتا، کل اردو پڑھوانے کے لیے معاوضہ دینا پڑے گا۔قلعۂ معلّیٰ کا دستِ شفقت جو اردو کے سر پر تھا آج بھارت کی چند ریاستوں میں سرکاری سرپرستی کے روپ میں موجود ہے (نوعیت اور معیار و مقدار خواہ کچھ بھی ہو) لیکن اردو کی سرپرستی سے جس طبقے نے اپنا ہاتھ کھینچنا شروع کر دیا ہے وہ اہلِ اردو ہی ہیں۔اردو ہماری مشترکہ تہذیب کی آئینہ دار ہے مگر معاف کیجیے مسلمانوں میں سے ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو احساسِ کمتری میں مبتلا ہے اور اردو کو اپنی قومی شناخت میں شامل کرنے سے کتراتا ہے۔جس طرح برقعہ اور ڈاڑھی کو وہ اپنے لیے مضر سمجھتا ہے، اردو زبان سے بھی بدکتا ہے۔

ہم اپنے گھروں اور دکانوں پر اردو میں بورڈ لکھ کر آویزاں کرنے سے کتراتے ہیں، حالاں کہ اس کی چند معقول وجوہ بھی ہیں جو ہمارے ملک کا ایک المیہ ہے۔ہم میں سے اکثر اس خود فریبی میں مبتلا ہیں کہ ہم نے اپنی اولاد کو اردو میڈیم اداروں میں تعلیم دلوا کر اردو کا حق ادا کر دیا۔اور جو یہ کام نہیں کرتے وہ اردو کے دشمن ہیں۔لیکن کبھی اس پہلو پر بھی غور کریں کہ لوگ اردو میڈیم اسکولوں سے اس قدر متوحّش کیوں ہیں؟ سبب صرف یہ نہیں ہے کہ وہاں سے نکلنے والے طلبہ اکثر اس قدر کمزور ہوتے ہیں کہ اس مسابقت کی ماری دنیا سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر پاتے، اکثر اردو اداروں کی تعلیم اس قدر ناقص ہوا کرتی ہے کہ ان کے طلبہ اعلا تعلیم کے میدان میں دقتوں کا سامنا کرتے ہیں اور عام طور پر ملازمتوں سے محروم رہتے ہیں۔

اردو کے اساتذہ اپنی زبان سے کس قدر وفادار ہیں، اس کی کسوٹی ان دنوں یہ ہے کہ ان کے بچے اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کرتے ہوں۔جہاں ایسا نہیں ہے وہاں اساتذہ کو روزی روٹی کے حوالے سے عار دلائی جاتی ہے اور اردو کا غدار قرار دیا جاتا ہے مگر کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ جن طلبہ سے آپ کی روزی بندھی ہے آپ انھیں کتنا پڑھاتے ہیں؟ اردو اسکولوں کے اساتذہ کو تنخواہ کی صورت میں لاکھوں روپے اس لیے نہیں دیا جاتا کہ وہ اپنے بچے کو اردو میڈیم اسکول میں داخل کروا کر اپنے سینے پر اردو سے وفاداری کا تمغہ سجائیں، بلکہ ان سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ ان بچوں کو پوری دیانت داری کے ساتھ پڑھائیں جن کا انھیں استاد مقرر کیا گیا ہے۔

رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ ہم میں سے چُن کر اردو والوں کو میدانِ حشر میں نگراں مقرر کر دیا جائے تو وہ اردو اساتذہ سے یہ ضرور پوچھیں گے کہ 'تیرے بچے اردو میڈیم اسکول میں پڑھتے تھے کہ نہیں'، اور ہاں میں جواب ملنے پر اسے فوراً جنت کا پروانہ تھما دیا جائے گا۔مگر ہمیں امید ہے ایسا نہیں ہوگا؛ اردو والوں سے یہ ہرگز نہیں پوچھا جائے گا کہ کتنے بچے پیدا کر کے اردو میڈیم اسکول میں پڑھائے بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ جن اردو والے طلبہ کو پڑھانے کے لیے تجھے مقرر کیا گیا تھا اور اس کے عوض تجھے لاکھوں روپے تنخواہ دی گئی، انھیں کیا پڑھایا اور پڑھایا بھی کہ نہیں؟۔

اس موقعے پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔میرا ایک دوست ہائی اسکول میں انگریزی پڑھایا کرتا تھا۔ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ جب وہ اپنے طلبہ کو لیٹر رائٹنگ کی مشق کروانا چاہتا تھا، پتا چلا کہ اردو میں تو انھیں خط لکھنا سکھایا ہی نہیں گیا۔اس نے اردو ٹیچر سے بات کی اور کہا کہ اگر طلبہ اردو میں خطوط نویسی کی بنیادی باتیں سمجھ لیں تو انگریزی میں آسانی سے خط لکھ سکیں گے۔آپ انھیں اردو میں یہ سکھا دیں تو میرا کام آسان ہو جائے گا یا مجھے اجازت دیں تو میں انھیں اپنے پیریڈ میں پڑھا دوں۔ اس پر محترمہ نے کہا: ہمارے ہاں خط نویسی کے ساتھ ایک اور متبادل سوال امتحان میں ہوتا ہے اس لیے ہم خط لکھانے کے چکر میں نہیں پڑتے اور اگر آپ نے انھیں اردو میں خط لکھنا سکھایا تو میں پرنسپل سے آپ کی شکایت کروں گی کہ آپ میرے سبجیکٹ میں دخل اندازی کر رہے ہیں۔یہ واقعہ من گھڑت نہیں ہے۔

ہمارے اداروں میں سے اکثر میں اس قسم کی ذہنیت پائی جاتی ہے جو اردو زبان کے لیے سمِ قاتل ہے۔اس قسم کے ماحول میں جو اساتذہ واقعی دل و جان سے اردو کی خدمت کرتے ہیں، یہ کام وہ جان ہتھیلی پر لے کر کرتے ہیں۔اگر ان کے بچے بھی اس ادارے میں تعلیم حاصل کریں تو ان کو بھی یہ 'نام نہاد اردو والے' بخشتے نہیں ہیں، ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کے وفد کی وزیرِ اعلا ہیمنت سورین سے ملاقات

رانچی (پریس ریلیز، 30 اگست)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ جھارکھنڈ کا ایک وفد 29 اگست 2024 کو ایم زیڈ خان کی قیادت میں وزیرِ اعلا جھارکھنڈ ہیمنت سورین سے پروجیکٹ بھون میں شام کے پونے سات بجے ملا اور انھیں اردو کے تعلق سے سات نکاتی مطالبات پر مشتمل میمورنڈم سپرد کیا جس میں اردو اکادمی کی تشکیل، اردو ڈائرکٹوریٹ کے قیام سمیت اردو میں نصاب کی کتابوں کی فراہمی، خالی اردو یونٹوں پر تقرری، 512 پلس ٹو اسکولوں میں اردو یونٹ کا قیام جیسے اردو سے متعلق اہم مدعے شامل تھے۔ اس کے علاوہ بی این جلان کالج سیسئی میں ایم اے اردو کورس کی شروعات کو بھی شامل کیا گیا تھا۔

وزیرِ اعلا نے انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کے وفد کی باتوں کو غور سے سنا اور یقین دہانی کرائی کہ ان کی سرکار اردو کے معاملے میں کافی سنجیدہ ہے اور ان پر کام کیا جارہا ہے جس کے جلد نتائج سامنے آئیں گے۔

وفد میں ایم زیڈ خان، مرکزی نمائندہ کے علاوہ پلاموکمشنری کے انچارج ڈاکٹر یاسین انصاری، شمشیر عالم، دھنباد کے پیغام علی، رانچی کے محمد محسن، محمد الیاس اور توقیر احمد شامل تھے۔

مورخہ 30 اگست کو انجمن کا وفد وزیرِ تعلیم بیدھ ناتھ رام سے اردو اسکولوں کے نام سے اردو لفظ کو ہٹائے جانے پر ملاقات کی اور میمورنڈم سونپتے ہوئے گزارش کی کہ اعلا سطح پر جانچ کرا کر اردو اسکولوں کا اسٹیٹس بحال کیا جائے کیوں کہ اردو آبادی میں ناراضگی پائی جاتی ہے۔ وزیرِ موصوف نے یقین دلایا کہ جانچ کے بعد جن اسکولوں کا اسٹیٹس سرکار نے منظور کیا تھا، اسے بحال کر دیا جائے گا لیکن جن اسکولوں کے لیے سرکار سے منظوری نہیں لی گئی ہے، اسے بحال کرنے میں تکنیکی دقّت ہوگی۔ وفد میں ایم زیڈ خان اور ڈاکٹر یاسین انصاری شامل تھے۔

بی این جلان کالج سیسئی میں سالوں سے ایم اے اردو کورس کی شروعات نہیں کی گئی ہے جس کے سبب سیسئی کے طلبہ خصوصی طور پر طالبات کو اپنی پڑھائی جاری رکھنے میں سماجی، معاشی اور ذہنی پریشانیوں سے گزرنا پڑتا ہے کیوں کہ اردو میں ایم اے کرنے کے لیے انھیں یا گملا جانا پڑتا ہے یا بیڑو جو سیسئی سے تقریباً 30 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس سے قبل اس معاملے کو وائس چانسلر رانچی یونیورسٹی کے سامنے اٹھایا گیا تھا جنھوں نے اپنے اختیار کی بات کہہ کر معاملے کو چانسلر اور سکریٹری پر ٹال دیا تھا۔ چانسلر کو بھی 28 اگست کو مکتوب بھیجا گیا ہے اور آج محکمۂ تعلیم کے سکریٹری اوما شنکر سنگھ کو اس بابت مکتوب دیا گیا تاکہ اردو اسکولوں کے ساتھ جس قسم کی ناانصافی ہو رہی ہے، اس پر قدغن لگے اور اردو اسکولوں کا اسٹیٹس بحال ہو۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کو بحران کا سامنا صرف پارٹ ٹائم اساتذہ برسرِ خدمت

حیدرآباد (22 اگست)۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں ایک خاموش بحران پنپ رہا ہے، عثمانیہ یونیورسٹی کو ملک کی پہلی ایسی یونیورسٹی کا اعزاز حاصل ہے جہاں اردو ذریعۂ تعلیم متعارف کرایا گیا تھا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے کالج آف آرٹس اینڈ سوشل سائنس کا اردو شعبہ انتہائی مشکلات کا شکار ہے جس کے پاس طلبہ کو پڑھانے کے لیے کوئی باقاعدہ فیکلٹی نہیں ہے۔ 2021 میں ایک پروفیسر کے ریٹائرمنٹ کے بعد سے یہ شعبہ صرف تین پارٹ ٹائم اساتذہ کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ ریگولر فیکلٹی ممبران کی عدمِ موجودگی میں شعبۂ اردو کی سربراہی شعبۂ عربی کے ایک فیکلٹی ممبر کر رہے ہیں جو عربی اور آثارِ قدیمہ کے شعبوں کے سربراہ کے علاوہ کالج کے انچارج پرنسپل کے طور پر بھی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ سندیپ جو شعبۂ اردو میں ایم اے کے طالبِ علم ہیں، کے مطابق چار مضامین کے لیے صرف تین جزوقتی اساتذہ ہیں جو کلاسس لیتے ہیں۔ یہ اساتذہ جذبۂ تدریس سے سرشار ہونے کی وجہ سے شعبۂ اردو کی بقا کے لیے اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی، ملک کی قدیم ترین یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے، جس کو نظام ہفتم میر عثمان علی خاں نے 26 اپریل 1917 کو اردو ذریعۂ تعلیم کے طور پر قائم کیا تھا۔ یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے اردو میڈیم میں کتابیں آسانی سے دستیاب ہیں، یونیورسٹی میں دارالترجمہ کو شعبۂ ترجمہ کے کاموں کے لیے 28 اگست 1918 کو قائم کیا گیا تھا۔ پروفیسر شکور کے ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ لوگ اس بات کا شکوہ کر رہے ہیں کہ یہ شعبہ جو کہ ایک بھرپور تاریخ اور وراثت رکھتا ہے، کے پاس کوئی باقاعدہ ادارہ نہیں رہا۔ ایک پروفیسر نے کہا یونیورسٹی میں شعبۂ قدیم ہندستانی تاریخ، ثقافت اور آثارِ قدیمہ، فرانسیسی اور جرمن اسٹڈیز کا بھی یہی حال ہے جو صرف اکیڈمک کنسلٹنٹس کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم، عربی اور پبلک ایڈمنسٹریشن سمیت مختلف شعبوں میں صرف ایک ریگولر فیکلٹی ممبر ہے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) کے اصولوں کے مطابق ہر ایک شعبے میں کم از کم ایک پروفیسر، دو ایسوسی ایٹ پروفیسر اور چار اسسٹنٹ پروفیسر ہونے چاہئیں۔ (منصف۔ حیدرآباد)

اردو میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کی تقرری کا مطالبہ

کورٹلہ (30 اگست)۔ جناب عبدالواجد کی صدارت میں بی آر آئی یو ٹی ایس کورٹلہ منڈل کے کونسل کا اجلاس بمقام ضلع پریشد ہائی اسکول، بوائز کورٹلہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے صدر ضلع جگتیال امرناتھ ریڈی، جنرل سکریٹری آنند راؤ نے شرکت کی۔ اس موقعے پر عبدالواجد نے حکومت سے اردو میڈیم اسکولوں میں پرائمری ہیڈ ماسٹر کی پوسٹ منظور کرنے اور ہائی اسکولوں میں تمام مضامین کے اساتذہ کی اسامیوں پر تقرری کرنے کا مطالبہ کیا۔ امرناتھ ریڈی اور آنند راؤ نے حکومت سے نئے منظور شدہ 6400 پرائمری ہیڈ ماسٹر اسامیوں میں سے اردو میڈیم اسکولوں کے لیے بھی نئی اسامیوں کو منظور کرنے کا مطالبہ کیا۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

اہلِ کشمیر کی اردو زبان اور کتابوں سے محبت قابلِ رشک

ـــــــــ ڈاکٹر شمس اقبال

سری نگر میں چنار اردو کتاب میلہ اور چنار بک فیسٹیول اختتام پذیر

سری نگر (26 اگست، پریس ریلیز)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے زیرِ اہتمام ایس جے آئی سی سی کے آڈیٹوریم میں تقریبِ تشکر و سپاس کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر شاہد اختر (قائم مقام چیئرمین نیشنل کمیشن فار مائناریٹی ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشنز، حکومتِ ہند)، مہمانِ ذی وقار کی حیثیت سے جناب شاہد اقبال چودھری (سکریٹری ڈپارٹمنٹ آف رورل ڈیولپمنٹ) اور مہمانِ اعزازی کی حیثیت سے جناب یوراج ملک (ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا) نے شرکت کی۔ اس موقعے پر خطاب کرتے ہوئے مہمانِ خصوصی پروفیسر شاہد اختر نے کہا کہ کشمیر علم و ادب اور تہذیب کا مرکز رہا ہے، آج بھی اپنی زبان اور تہذیب سے جڑنے کی ضرورت ہے۔ بین الاقوامی سطح پر زبان کو فروغ دینے میں کشمیر کے لوگوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ کشمیر میں چنار اردو کتاب میلے اور چنار بک فیسٹول کا انعقاد قومی کونسل اور این بی ٹی کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی برقرار رہے گا۔

کلماتِ تشکر و سپاس کہتے ہوئے ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ کشمیر جسے زمین کی جنت کہا جاتا ہے ڈوگری اور کشمیری کے ساتھ اردو سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، اس وادی کا اردو زبان و ادب سے بہت گہرا رشتہ رہا ہے، اردو زبان کو فکری اور لسانی اعتبار سے ثروت مند بنانے میں یہاں کے لوگوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ قومی کونسل کی اسکیموں سے یہاں کے نوجوان بچے اور بچیاں فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہم اس طرح کے کتاب میلوں کا انعقاد آئندہ بھی کریں گے۔ جناب یوراج ملک (ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا) نے کہا کہ اردو زبان ادبی زبان ہے، بھاشا اور سنسکرتی کا تعلق بہت گہرا ہوتا ہے۔ اس کتاب میلہ کو کامیاب بنانے میں سب سے زیادہ رول یہاں کے لوگوں نے ادا کیا ہے، یہ رشیوں اور صوفیوں کا مسکن رہا ہے، چنار صرف پیڑ نہیں یہ تہذیب ہے. سماج کو بدلنے کے لیے کتابوں سے رشتہ جوڑنے کی ضرورت ہے۔ مہمانِ ذی وقار شاہد اقبال چودھری نے کہا کہ اسکل اور ہنر کی ہر دور میں اہمیت رہی ہے، اس لیے نوجوانوں کو اسکل اور ہنر سے بھی جوڑنے کی ضرورت ہے۔ میں پہلی بار اتنا کامیاب پروگرام اور کتاب میلہ دیکھ رہا ہوں۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان اور این بی ٹی اس کے لیے مبارکباد کی مستحق ہے۔ واضح رہے کہ آج چنار اردو کتاب میلہ کا آخری دن تھا۔ اس تقریب میں بیسٹ کلیکشن کا انعام نامک پبلی کیشن کی ڈائرکٹر انجم عامر خان کو اور بیسٹ ڈسپلے کا انعام افضل لون مالک ملت پبلی کیشنز سری نگر کو دیا گیا۔ آج صبح سے ہی لوگوں کا ازدہام دیکھنے کو ملا۔ تقریبِ تشکر و سپاس کا اختتام ڈاکٹر نصیب علی (اسسٹنٹ پروفیسر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی) کے شکریے اور نیشنل اینتھم پر ہوا۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر عبدالباری نے کی۔ پروگرام کے خصوصی شرکا میں پروفیسر زمان آزردہ، ڈاکٹر قاسم خورشید، ڈاکٹر صادقہ نواب سحر، پروفیسر اعجاز محمد شیخ اور پروفیسر عارفہ بشریٰ وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

رکنِ اسمبلی مدن پلی کو اردو ٹیچرز ایسوسی ایشن کی یادداشت

مدن پلی (7 ستمبر)۔ ریاستی اردو ٹیچرز ایسوسی ایشن لکچررس وِنگ کی جانب سے اردو لکچررس کی اسامیوں کے سلسلے میں بالعموم اور گورنمنٹ کالج مدن پلی کے سلسلے میں بالخصوص رکنِ اسمبلی مدن پلی شاہجہاں باشا سے نمائندگی کی گئی۔ روٹا کے اسٹیٹ اڈیشنل جنرل سکریٹری پی محمد خاں جوہر کی قیادت میں لکچررس وِنگ کے قائدین جن میں ڈاکٹر شیخ فاروق باشا عمری (شعبۂ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج، نندیال)، مولانا بشیر احمد (گورنمنٹ ڈگری کالج فار ویمن، مدن پلی، ضلع انامیا)، ڈاکٹر شیخ نوراللہ نور اور ڈی نظام الدین خاں (شعبۂ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج پلمنیر، ضلع چتور) نے یادداشت پیش کی۔ رکنِ اسمبلی شاہجہاں باشا نے اردو کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کا یقین دلایا۔ فی الفور کالج کے پرنسپل سے رابطہ کر کے تمام تفصیلات طلب کیں نیز اردو طلبہ کی موجودگی میں اردو لکچرر کے تقرر کو لازمی قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس سلسلے میں جلد از جلد نمائندگی کر کے اردو پوسٹ منظور کرائے جائیں گے اور اردو پوسٹوں کو بحال کیا جائے گا۔ انھوں نے یقین دہانی کرائی کہ بی ٹی کالج مدن پلی میں شعبۂ اُردو کو جلد از جلد بحال کر دیا جائے گا۔ (اعتماد۔ حیدرآباد)

☆☆☆

اردو میڈیم اساتذہ کی اسامیوں کو غیر محفوظ زمرے میں تبدیل کیا جائے

حیدرآباد (4 ستمبر)۔ جناب عامر علی خاں (رکنِ قانون ساز اسمبلی) نے چیف منسٹر ریونت ریڈی کو یادداشت پیش کرتے ہوئے ڈسٹرکٹ سلیکشن کمیٹی (DSC) 2024 کے تقررات میں اردو میڈیم اسامیوں کو غیر محفوظ قرار دینے کی خواہش کی تاکہ اردو میڈیم امیدواروں کی تقرری کو یقینی بنایا جاسکے۔ اساتذہ کی مختلف تنظیموں نے جناب عامر علی خاں سے ملاقات کرتے ہوئے اس سلسلے میں نمائندگی کی اور مداخلت کی اپیل کی۔ اردو میڈیم کی 1179 اسامیوں میں صرف 516 اسامیاں مسلم امیدواروں کے لیے دستیاب ہیں جب کہ باقی 663 اسامیاں ایس سی، ایس ٹی، بی سی اے، بی سی بی، بی سی سی اور بی سی ڈی زمرے کے لیے مختص کی گئی ہیں۔ مختلف طبقات کے لیے محفوظ کی گئی اسامیوں پر تقررات ممکن نہیں کیوں کہ غیر اقلیتی امیدوار اردو سے ناواقف ہوتے ہیں۔ جناب عامر علی خاں نے چیف منسٹر سے اپنی نمائندگی میں اردو میڈیم کی تمام اسامیوں کو غیر محفوظ قرار دینے کی اپیل کی تاکہ تمام اسامیوں کو اہل اردو امیدواروں سے پُر کیا جاسکے۔ انھوں نے کہا کہ تحفظات کی اہمیت کے قطعِ نظر اردو میڈیم اسامیوں کا معاملہ مختلف ہے۔ تمام اسامیوں کو غیر محفوظ قرار دینے سے کئی برسوں سے خالی اسامیوں پر تقرری کی راہ ہموار ہوگی۔ جناب عامر علی خاں نے کہا کہ اردو میڈیم اساتذہ اور طلبہ کو اس فیصلے سے فائدہ ہوگا۔ تلنگانہ میں اردو دوسری سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے لہٰذا اردو کے تحفظ اور فروغ کے علاوہ اردو زبان میں تعلیم کی فراہمی کے اقدام کے تحت اردو میڈیم اسامیوں کو تحفظات کے زمرے سے علاحدہ کیا جانا چاہیے۔ جناب عامر علی خاں نے تلنگانہ میں مسلم تحفظات کے لیے طویل عرصے تک مہم چلائی تھی۔ اردو زبان کے فروغ کے لیے روزنامہ ’سیاست‘ کی جانب سے کئی قدم اٹھائے گئے اور باقاعدہ عملی اقدام کیے جارہے ہیں۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

ہندستان کی ہمہ جہت ترقی کے لیے سرسیّد کے تعلیمی افکار مشعلِ راہ

بھوپال میں منعقدہ مذاکرے میں دانشوروں کا اظہارِ خیال

بھوپال (پریس ریلیز)۔ سرسیّد احمد خان نے 1857 کے بعد جب بھارت کے باشندوں کی سربلندی کا خاکہ تیار کیا تو اس میں سب سے پہلے انھوں نے روایتی طریقۂ تعلیم کو ترک کر کے سائنسی علوم کے حاصل کرنے کی تلقین کی۔ سرسیّد نے ایک ایسے وقت میں روایتی طریقۂ تعلیم کو ترک کرنے اور سائنسی علوم کے حاصل کرنے کی بات کہی تھی جس میں لوگ انگریزوں کی نفرت میں اس کی اچھی چیزوں پر بات کرنے سے متنفر ہوجاتے تھے۔

آج بھی سرسیّد احمد خان کے تعلیمی وُرثا ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اسی سلسلے میں اے ایم یو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بھوپال چیپٹر کے زیرِ اہتمام کوہِ فضا اُسیہ ریسورٹ میں ایک باوقار تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ تقریب میں اے ایم یو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن لکھنؤ چیپٹر کے صدر ایس ایم شعیب نے بطورِ مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ اس موقعے پر ایس ایم شعیب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حالات میں نہ صرف سرسیّد کے تعلیمی افکار کی معنویت میں اضافہ ہوگیا ہے بلکہ سرسیّد کے تعلیمی افکار میں ہی بھارت کی ہمہ جہت ترقی کا راز مضمر ہے۔ اس موقعے پر ایس ایم شعیب نے اے ایم یو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن لکھنو کے ذریعے کیے جارہے فلاحی کاموں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بھوپال کے صدر محمد اعظم خان نے مہمانِ خصوصی ایس ایم شعیب کا گلدستہ پیش کرتے ہوئے استقبال کیا اور اے ایم یو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بھوپال کے ذریعے کیے جارہے فلاحی کاموں کی تفصیل پیش کی۔ اس موقعے پر ایسوسی ایشن کے اہم رکن اور چھتیس گڑھ کے سابق ڈی جی پی ایم ڈبلیو انصاری نے اے ایم یو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن لکھنؤ چیپٹر کے کاموں کی ستائش کرتے ہوئے بھوپال میں بھی لکھنؤ کی طرز پر ایوانِ سرسیّد کے قائم کیے جانے کی تجویز پیش کی۔

پروگرام میں ایسوسی ایشن کے ذریعے سرسیّد کی تعلیمی تحریک کے ساتھ ان کے رفقا پر بھی پروگرام کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ تقریب میں سرسیّد کے غیر مسلم رفقا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی تعمیر و ترقی میں ان کے گراں قدر تعاون پر بھی کتاب لکھنے کی تجویز پر غور کیا گیا اور اس کے لیے ممتاز محقق و صحافی ڈاکٹر مہتاب عالم کے نام کا اعلان کیا گیا۔

تقریب میں ڈاکٹر تسنیم حبیب، ڈاکٹر محمد سراج خان، نعیم صدیقی، ڈاکٹر نعیم خان اظفر سعید نے بھی سرسیّد کی تعلیمی تحریک کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

پروگرام کے اختتام پر اے ایم یو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بھوپال کے سکریٹری ڈاکٹر محمد کاشف انور نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

خلیل مامون اور سلیمان خمار کے انتقال پر انجمن ترقی اردو گلبرگہ کا تعزیتی اجلاس

گلبرگہ (28 اگست)۔ خلیل مامون نئی نظم کی معتبر اور منفرد آواز تھے وہ بہ ظاہر ڈسپلن کے پابند پولیس آفیسر نظر آتے تھے لیکن وہ ایک دردمند دل کے مالک اور انسانیت نواز فرد تھے۔ ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر اکرم نقاش (صدر انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ) نے انجمن کے زیرِ اہتمام منعقدہ تعزیتی اجلاس سے مخاطب کرتے ہوئے کیا۔ یہ اجلاس 25 اگست 2024 بروز اتوار ساڑھے گیارہ بجے دن انجمن کے خواجہ بندہ نوازؒ ایوان اردو ہال، گلبرگہ میں منعقد ہوا۔ انھوں نے مزید کہا کہ خلیل مامون غیر معمولی طور پر متحرک اور فعال شخصیت تھے، ان کی رحلت بلاشبہ ادب اور بالخصوص نظم کی دنیا کا نقصان ہے۔ انھوں نے سلیمان خمار کے انتقال پر کہا کہ ان کا گزر جانا کرناٹک میں غزل کی معروف و مقبول آواز کا خاموش ہوجانا ہے۔ سلیمان خمار بے حد ملنسار، منکسر المزاج اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ اللہ دونوں مرحومین کو غریقِ رحمت کرے۔ ڈاکٹر اکرم نقاش نے اس موقعے پر خلیل مامون پر لکھا اپنا خاکہ پیش کیا۔ پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر (صدر شعبۂ اردو کے بی این یونیورسٹی گلبرگہ) نے کہا کہ خلیل مامون اپنے اصولوں کے پابند غیر متزلزل مزاج کے حامل تھے۔ انھوں نے ہمیشہ ناانصافیوں اور جبر کے خلاف نہ صرف کھلے طور پر اظہار کیا بلکہ اپنی شاعری میں بھی ان عوامل کو موضوع بنایا، ان کا انتقال اردو ادب کا ایک بڑا نقصان ہے۔ سلیمان خمار کے متعلق انھوں نے کہا کہ یہ وہ شاعر تھے جو شاعری کے حوالے سے ہماری ریاست کی بھرپور نمائندگی کرتے تھے وہ ایک شریف النفس سادہ مزاج آدمی تھے۔ جناب امجد جاوید کہا کہ دنیا انھی لوگوں کو یاد کرتی ہے جنھوں نے قوم و سماج کو کچھ دیا ہے۔ یہ دونوں شخصیتیں ادب کے حوالے سے ہمیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ مرحومین سے اپنے ذاتی مراسم کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ بڑی شخصیتیں چھوٹوں کی تنقید پر ناراض نہیں ہوتیں بلکہ اپنی مسکراہٹ سے ان کا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ ڈاکٹر ماجد داغی نے کہا کہ خلیل مامون اور سلیمان خمار کو کرناٹک اردو اکادمی کی ممبرشپ کے دوران انھیں قریب سے جاننے کا موقع ملا اور یہ مراسم ہمیشہ قائم رہے۔ انھوں نے خلیل مامون کی رحلت کو ادب کے بڑے نقصان سے تعبیر کیا۔ اس موقعے پر انھوں نے سلیمان خمار کی شاعری کے اختصاص پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ سلیمان خمار انتہائی خوش مزاج، خوش پوشاک، خوش خصال اور بامروّت یار باش شخصیت کے مالک تھے۔ شاعری میں وہ اپنی جدت طرازی، لفظیات کے دلفریب استعمال اور تخیّل کی موثر ترجمانی کی وجہ سے نہ صرف ریاستی و قومی سطح پر شہرت حاصل کی بلکہ خلیجی ممالک میں منعقدہ بین الاقوامی مشاعروں میں بھی مدعو کیے گئے۔ ان کی مطبوعات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سلیمان خمار کی اب تک چار کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں تین مجموعہ ہائے کلام ’تیسرا سفر‘، ’سمندر جاگ سکتا ہے‘ اور ’دشتِ جنوں‘ کے علاوہ نعتوں کا مجموعہ ’پیکرِ نور‘ اردو شعری سرمایے میں قابلِ قدر اضافہ ہیں۔ خلیل مامون کے قریبی ہم کار سیّد رؤف قادری نے خلیل مامون کی شخصیت اور ان کے احوال و آثار پر روشنی ڈالتے ہوئے ان سے اپنے مراسم کا مفصل ذکر کیا اور انتقال سے قبل خلیل مامون سے گفتگو کا بھی ذکر کیا۔ جناب ولی احمد نے ابتدائی کلمات کہے جس میں انھوں نے دونوں مرحومین کی ادبی کارگذاریوں کا موثر انداز میں جائزہ لیا۔ ڈاکٹر محمد افتخارالدین اختر نے جلسے کی نظامت کے فرائض انجام دیے۔ جلسے کے آخر میں ڈاکٹر ماجد داغی (معتمد انجمن ترقی اردو ہند شاخ گلبرگہ) نے درجِ ذیل قراردادِ تعزیت کی قرأت کی:

’انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ کا یہ تعزیتی اجلاس ممتاز شاعر، ادیب و صحافی خلیل مامون اور معروف شاعر سلیمان خمار کے سانحۂ ارتحال پر اپنے رنج و ملال کا اظہار کرتا ہے۔ خلیل مامون جدید نظم کا ایک معتبر نام ہے۔ خلیل مامون بہ یک وقت منفرد شاعر، نثر نگار، صحافی و ادیب تھے۔ خلیل مامون بے باک اور بے لاگ ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

عبدالغفور مجید نورانی

ممبئی۔ مشہور قانون داں، سیاسی مبصر، دفعہ 370 کے ماہر عبدالغفور مجید نورانی کو 30 اگست 2024 کو جنوبی ممبئی میں واقع منگل واڑی میمن قبرستان میں سپردِ خاک کردیا گیا، ان کا 29 اگست کو 96 برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ اے جی نورانی نے متعدد کتابیں لکھیں اور اخبارات کے لیے کالم بھی لکھتے رہے ہیں۔ ان کا شمار بہترین ماہرینِ قانون میں ہوتا تھا۔ آئینِ ہند اور دفعہ 370 کے ماہر، سپریم کورٹ کے سینئر وکیل، سیاسی مبصر اور متعدد مقبول کتابوں کے مصنف عبدالغفور مجید نورانی جو اے جی نورانی کے طور پر معروف تھے۔ اُن کی نمازِ جنازہ دیارِ خموشاں مسجد کچھی میمن قبرستان، منگل واڑی نزد بڑا قبرستان چرنی روڈ میں ادا کی گئی اور وہیں تدفین بھی عمل میں آئی۔ اے جی نورانی 16 ستمبر 1930 کو پیدا ہوئے تھے اور یہیں ممبئی میں ابتدائی تعلیم سینٹ میری اسکول اور پھر قانون کی تعلیم گورنمنٹ لا کالج سے حاصل کی تھی۔ انھوں نے پہلے بامبے ہائی کورٹ اور پھر سپریم کورٹ دونوں عدالتوں میں بطور وکیل وکالت کی۔ مرحوم کو آئینِ ہند، کشمیر اور آرٹیکل 370 جیسے حساس اور سلگتے ہوئے موضوعات کی گہری سمجھ، اُن کے بے باکانہ تحریروں اور انصاف کے لیے آواز بلند کرنے کی وجہ سے انھیں بہت عزت اور شہرت حاصل ہوئی۔

ادارہ ’ہماری زبان‘ مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : بیانِ شبلی (۴)
مصنف : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
ضخامت : 208 صفحات
قیمت : 350 روپے
ناشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-110002
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی شناخت بہ طور شبلی شناس مسلّم ہے۔ علامہ شبلی کے نادر و نایاب خطبات، مقالات، خطوط، اسفار، نوادرات اور ان کی زندگی کے مختلف موضوعات کو انھوں نے برسوں کی محنتِ شاقہ کے بعد قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ متواتر علامہ شبلی کی تحریروں اور ان کی حیات و خدمات پر لکھے گئے مقالات میں غوطہ زنی کرتے رہتے ہیں۔ اس غوطہ زنی میں وہ ہمارے لیے نادر و نایاب تحریری جواہرات ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔ ان کی انھی مساعی کے سبب انھیں دنیا بھر کے علم شناسوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ علامہ شبلی پر کی جانے والی تحقیقات میں الیاس صاحب کی لکھی اور ترتیب دی گئی کتابوں کو مستند حوالے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جائے تو علامہ شبلی پر لکھی جانے والی تحریروں اور مقالوں کے لیے الیاس صاحب کا نام خود ایک حوالہ بن چکا ہے۔ جو لوگ دن رات تحقیق کے مشکل اور صبر آزما کام میں منہمک ہیں وہ بہ خوبی جانتے ہیں کہ کسی ایک شخص پر کام کرنا اور اُس پر مسلسل کام کرنا آنکھوں سے تیل ٹپکانے کا عمل ہوتا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب 'بیانِ شبلی (۴)' کو ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے 10 ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ان ابواب میں انھوں نے علامہ شبلی نعمانی کے غیر مطبوعہ مقالات، رپورتاژ، شاعری، خطبات اور سفرناموں وغیرہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے مختلف کتابوں، تحقیقی مقالوں اور رسائل و جرائد میں علامہ شبلی کے اذکار کو بھی شاملِ کتاب کیا ہے۔ علامہ شبلی کی وفات کے بعد ان کے علمی و ادبی کارناموں کے حوالے سے سخنوران کے ذریعے جو خراجِ عقیدت و خراجِ تحسین پیش کیا گیا وہ بھی بیانِ شبلی (۴) میں صفحۂ قرطاس کی زینت بنا ہے۔ ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی کی شخصیت کے بعض ایسے واقعات کو بھی اس کتاب میں جگہ دی جو اب تک ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ انھوں نے 'تذکرۂ جمیل' سے ماخوذ کیا ہے جس میں علامہ شبلی کے پشاور کے سفر کی روداد کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سفر میں مولانا اسرائیل اور علامہ شبلی کی ملاقات کا دل کش انداز میں بیان موجود ہے۔

'نوادراتِ شبلی' کے تحت ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی کا لکھا ہوا غیر مطبوعہ مضمون 'جامعہ ازہر اور اس کی اصلاح' قارئین کی نذر کیا ہے۔ اس مضمون میں علامہ شبلی نعمانی نے اپنے سفر 'سفرنامۂ روم و مصر و شام' کے دوران جامعہ ازہر کا سفر بھی کیا تھا۔ انھوں نے جامعہ ازہر کی تاریخ اور قیام کے مقاصد کے علاوہ اس کی تعلیمی پالیسیوں پر بھی تبادلۂ خیال کیا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان جامعہ ازہر کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس کی وجہ اس کا انتظام اور تعلیمی نظام ہے۔ علامہ شبلی نے جامعہ ازہر کی دس تعلیمی پالیسیوں کو اپنے مقالے میں پیش کیا جن میں جامعہ ازہر میں داخلہ لینے کے عمل سے لے کر امتحان، نتائج، ناکام امیدواروں کو ازسرِنو امتحان دینے کے طریقوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے 'علی گڑھ کالج میگزین اور اس کے مضامین' کے تحت لکھا کہ پہلے یہ میگزین انگریزی میں شائع ہوتا تھا لیکن 1895 میں کالج انتظامیہ نے اسے انگریزی کے ساتھ اُردو میں نکالنے کا فیصلہ لیا اور علامہ شبلی کو اس کا مدیر بنایا گیا۔ علامہ شبلی نے اُردو کے اصحابِ قلم سے درخواست کی کہ وہ اپنے مضامین علی گڑھ کالج میگزین کے لیے ارسال کریں۔ اس کے نتیجے میں ڈپٹی نذیر احمد، ذکاء اللہ، نواب محسن الملک اور سرسید وغیرہ نے کالج میگزین کے لیے مضامین سپردِ قلم کیے۔ علامہ شبلی نے بھی اس میگزین کے لیے مضامین لکھے جس میں ان کا مضمون 'ندوۃ العلما' شائع ہوا۔ ڈاکٹر الیاس الاعظمی کے مطابق علامہ شبلی کا یہ مضمون دراصل ندوہ تحریک، ندوہ کی تعبیر و تشریح میں لکھا گیا اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین 1895 میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں علامہ شبلی نے ندوہ کو قائم کرنے کی روداد اور اس کے پہلے اجلاس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ندوہ کا پہلا اجلاس 1893 میں کان پور کے مدرسہ فیضِ عام میں ہوا اور اس کے پہلے ناظم مولوی محمد علی بنائے گئے۔ علامہ شبلی نے غیر منقسم ہندستان میں گھوم گھوم کر ندوہ کے قیام اور اس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کے بارے میں علما کو بتایا تھا۔ ساتھ ہی وہ ندوہ کے قیام کے سلسلے میں علما سے دستخط بھی کراتے تھے۔

بیانِ شبلی (۴) میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے محمڈن اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس کی دو اہم رپورٹیں شامل کی ہیں۔ پہلی رپورٹ شاہ جہاں پور میں ایجوکیشنل کانفرنس کے دسویں اجلاس اور دوسری رپورٹ ایجوکیشنل کانفرنس، میرٹھ کی گیارہویں جلسے کی روداد ہے۔ شاہ جہاں پور میں منعقدہ دسویں تعلیمی کانفرنس سے پہلے مقامی شر پسندوں نے سرسید احمد خاں کے خلاف بہت سی من گھڑت باتوں کو پورے شہر میں پھیلایا تاکہ یہ دسویں تعلیمی کانفرنس کامیاب نہ ہو سکے۔ اس بارے میں علامہ شبلی نعمانی 'محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین علی گڑھ، فروری 1896 کے صفحہ 187 پر رقم طراز ہیں:

> ''اہلِ قصبہ میں سے اکثر یہی نہیں جانتے کہ سید احمد خاں کون ہے اور وہ کیوں آیا تھا اور کیا کر گیا۔ کیوں کہ کانفرنس سے دو دن پہلے ایک بڑھیا کسی اپنی پڑوسن سے کہہ رہی تھی کہ بہن میں نے سنا ہے کہ یہاں کوئی بوڑھا آنے والا ہے۔ خدا جانے وہ کس قسم کا بوڑھا ہے، اس کے دیکھنے کو ہزاروں آدمی اطراف سے آئیں گے اور ہر ایک کو اس بوڑھے کی منھ دکھائی کے پانچ ہزار روپیہ دینے پڑیں گے۔ علاوہ بریں بہت سے حضرات ہمارے جانے سے مہینوں پہلے اپنے تابعین کو یہ پٹی پڑھا چکے تھے کہ یہاں ایک دجالی طلسم وقوع میں آنے والا ہے... بچو اس کے شر سے اور محفوظ رکھو اپنے ایمان کو۔''
> (ص47)

لیکن شاہ جہاں پور کے خان بہادر ڈپٹی برکت علی خاں، ڈپٹی عثمان خاں، مولوی اسماعیل، مولوی قدرت حسین اور شیخ سراج الحسن کے تعاون سے یہ تعلیمی کانفرنس کامیاب ہوئی۔ علامہ شبلی نے میرٹھ میں 27 دسمبر 1896 کو منعقدہ گیارہویں محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کی رپورٹ میں اہلِ میرٹھ کی خوب ستائش و تعریف کی۔ اپنی رپورٹ میں علامہ شبلی نعمانی نے پچھلی دس تعلیمی رپورٹوں کا موازنہ بھی اس میں کیا۔ میرٹھ کے عوام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں:

> ''کانفرنس کا گیارہواں اجلاس نہایت کامیابی کے ساتھ انجام پایا۔ ہمیں اہلِ میرٹھ کا تہِ دل سے مشکور ہونا چاہیے کہ انھوں نے اس قومی جلسہ کے انتظام کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور مہمان نوازی میں زرِ کثیر صرف کیا۔ امسال ممبروں کی تعداد بھی بکثرت تھی لیکن آفریں ہے حضرات میرٹھ کی محبت مردانہ پر کہ ان کی طرف سے ازاوّل تا آخر مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع میں ویسی ہی گرم جوشی رہی، فرداً فرداً ایک مہمان کی تواضع ویسی ہی ہوئی جیسی بڑے جلسوں میں عموماً ہوا کرتی ہے۔ محمڈن ینگ ایسوسی ایشن میرٹھ کی عنایت اور مہمان نوازی ریلوے اسٹیشن پر ہی پیشوائی کے لیے کمربستہ موجود تھے۔'' (ص51)

علامہ شبلی نعمانی نے اس رپورٹ میں سرسید احمد خاں کی تقریر، جس میں انھوں نے مسلم قوم کو مردہ قوم قرار دیا پر نواب محسن الملک کے احتجاج کا تذکرہ کیا ہے۔ بہ قولِ علامہ شبلی نواب صاحب نے اپنی جوشیلی تقریر میں سرسید احمد خاں کے سامنے ہی کہا کہ ابھی قوم دراصل زندہ ہے ابھی مری نہیں، کانفرنس مطلق بیکار چیز ہے اور اب تک اس نے کچھ بھی نہیں کیا اور اگر اسی رفتار میں چلتی رہی تو اس کی مدد سے قوم کا منزلِ مقصود تک پہنچنا محال ہے (ص53)۔ رپورٹ کے آخر میں علامہ شبلی نعمانی نے سرسیّد احمد خاں کے مردہ قوم والے بیان کی عالمانہ انداز میں دفاع اور وضاحت کی ہے۔

بیانِ شبلی (۴) کا 'علامہ شبلی کی تقریظ نگاری' ایک اہم باب ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے اُن 18 کتابوں کا ذکر کیا جن پر علامہ شبلی نے تقاریظ تحریر کیں۔ موصوف نے 'یادِ رفتگاں میں ذکرِ شبلی' کے تحت 42 اصحاب قلم کے ذریعے علامہ شبلی کے تذکروں کی نشان دہی کی ہے۔

بہرکیف! ڈاکٹر الیاس صاحب نے بڑی ہی جاں کاہی کے ساتھ 'بیانِ شبلی (۴)' کو تصنیف کیا۔ انھوں نے اپنے پیش لفظ میں اس بات کی وضاحت کہ 'بیانِ شبلی' کا پانچوں حصہ عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے زیرِ نظر کتاب میں شامل مضامین کی جامع اور مربوط تلخیص بھی پیش کردی ہے۔ اس موقعے پر راقم موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ انھوں نے تنِ تنہا ہی علامہ شبلی کی مختلف تحریروں کو رسائل، جرائد و کتب سے نکال کر عوام الناس تک پہنچانے کا کام کیا ہے۔ کسی ایک شخصیت پر متواتر کام کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا لیکن ڈاکٹر الیاس صاحب نے اس دشوار ترین مرحلے کو خود طے کیا ہے۔ اس مختصر تبصرے میں الیاس صاحب کی محنت اور دیدہ ریزی کا جائزہ نہیں لیا جا سکتا۔

◆◆

میرا جنونِ اُردو
(خطبات و مضامین)
طاہر محمود
قیمت: 700 روپے

کچھ اُداس نظمیں
ہربنس مکھیا
قیمت: 300 روپے

غروبِ شہر کا وقت
اُسامہ صدیق
قیمت: 900 روپے

بقیہ: اُردو کی سُپاری

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

اس لیے 'اردو کا کوئی سچا خادم' اگر اپنے بچوں کو اردو اسکول میں نہیں پڑھاتا تو اس پر بے تحاشا لعن طعن کرنے سے پہلے حقیقی وجوہ معلوم کر لیجیے۔ (ان وجوہ کی فہرست ذرا طویل ہے)

ہر شخص کو اپنی زبان سے پیار ہے مگر اولاد کی زندگی اور اس کے مستقبل کو اس زبان کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاسکتا جس زبان کے نام پر ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ لینے والے اساتذہ ان بچوں کی تربیت کے لیے اِدھر کا تنکا اُدھر کرنے کو تیار نہ ہوں۔ اکثر اردو اسکولوں میں کیا ہوتا ہے اور کس طرح تعلیم کا گلا گھونٹا جاتا ہے، اس کے جو مناظر اس چشمِ گنہگار نے دیکھے ہیں اگر بیان کر دیے جائیں تو ڈر ہے کہ نہ جانے کتنے ہاتھ میری گردن تک پہنچ جائیں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جس زبان کو ہمارے گھروں سے زندگی ملتی تھی وہیں سے اس کا جنازہ نکل رہا ہے۔

گذشتہ سال ایک مسلم طالبہ نے جس نے انگریزی میڈیم سے تعلیم مکمل کی تھی امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کی۔ پوری ریاست میں اسے سراہا گیا۔ اس طالبہ کے دادا ایک صاحبِ کتاب شاعر تھے جنھیں ریاستی اردو اکادمی نے انعام سے بھی نوازا تھا اور اس کی دادی کا ایک افسانوی مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ایک اردو رسالے کے اڈیٹر نے جو میرا دوست بھی تھا، مجھے فون کیا اور کہا، تمھارے شہر کی ہونہار بچی نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے، اس بچّی کا انٹرویو لے کر بھجواؤ۔ جب وہ انٹرویو اس پرچے میں شائع ہوا اور میں اس کی ایک کاپی لے کر اس لڑکی کے والد کے پاس گیا تو انھوں نے مجھے پچاس روپے یہ کہہ کر دیے کہ آپ اس پرچے کی قیمت لے لیں۔ میں نے ان سے کہا، 'رسالے کا یہ شمارہ تو آپ کے لیے تحفہ ہے۔ آپ اگر دینا ہی چاہتے ہیں تو سو روپے اس کا زرِ سالانہ دے دیجیے۔' انھوں نے جواب میں کہا: 'معاف کیجیے! پرچہ آ کر پڑا رہے گا ہمارے گھر میں اردو پڑھنے والا اب کوئی نہیں ہے۔'

ہم نے اردو کے بعض اساتذہ کے بارے میں یہ بھی سنا ہے کہ وہ اپنے عہدے سے سبک دوش ہوئے تو (اسباب خواہ کچھ بھی رہے ہوں)، وہ جاتے جاتے اردو کے شعبے کو بند کرتے گئے۔ اس قسم کے لوگ شاید ہر علاقے میں مل جائیں۔

چند برس پہلے کی بات ہے، ایک صاحب نے جو ایک دیہات میں اردو اسکول میں ملازم تھے، مجھے اپنی کہانی سنائی کہنے لگے: میں اپنے شہر میں اپنا تبادلہ کروانا چاہتا تھا مگر یہ ممکن نہ تھا۔ بس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اردو اسکول ختم ہو تو مجھے دوسری جگہ بھیجا جائے۔ میں نے ایک سال کے اندر دھیرے دھیرے بچّوں کا اسکول آنا بند کروا دیا۔ وہ اسکول بند ہوگیا اور اب میں شہر کے ایک مراٹھی اسکول میں آ گیا ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا: اس ایک سال میں آپ کو اندازاً کتنی تنخواہ ملی ہوگی؟ کہنے لگے، یہی کوئی چار لاکھ روپے۔ میں نے کہا: کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ وہ چار لاکھ روپے آپ کی تنخواہ نہیں، بلکہ اردو کو ختم کرنے کے لیے سپاری تھی؟

مجھ جیسا مدرس جو اردو کی تدریس کے لیے مقرر کیا گیا ہے، سالانہ لگ بھگ چار پانچ لاکھ روپے یا اس سے زیادہ تنخواہ حاصل کر لیتا ہے، اس کے لیے اب یہ سوچنے کا وقت آ گیا ہے کہ سال بھر میں اتنی بڑی رقم لے کر موجودہ نسل کے اندر اور سماجی سطح پر اردو زبان کو زندہ کرنے کے لیے میں نے کیا کیا؟ کیا میری خدمات اس مرتی ہوئی زبان کے لیے آبِ حیات ثابت ہوئیں یا میں نے تنخواہ کی شکل میں، اس زبان کو ختم کرنے کے لیے سپاری لی ہے؟

یہ زبان شاید اسی لیے زندہ ہے کہ اس کے لیے جاں سپاری کا جذبہ اردو والوں کے دلوں میں اب بھی موجود ہے البتہ ان دنوں اردو کی سپاری لینے کی وارداتوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔

محمد اسد اللہ

30، گلستان کالونی، نزد پانڈے، امرائی لانس، جعفر نگر، ناگپور-440013

E-mail: zarnigar2005@yahoo.com

Mobile: 9579591149

بقیہ: خلیل مامون اور سلیمان خمار کے انتقال پر انجمن ترقی اردو گلبرگہ کا تعزیتی اجلاس

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

اظہارِ خیال کے قائل ادیب تھے۔ انھیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ، کرناٹک راجیہ اتسو ایوارڈ اور غالب ایوارڈ کے علاوہ قومی و ریاستی سطح کے اعزازات سے نوازا گیا۔ ان کی جملہ سولہ کتابیں منظرِ عام پر آئیں جو نظم و نثر پر مشتمل ہیں۔ خلیل مامون انسپکٹر جنرل آف پولیس کے عہدے پر فائز رہے۔ ساتھ ہی انھوں نے کرناٹک اُردو اکادمی کے صدر کی حیثیت سے بھی غیر معمولی کام کیے۔ ان کے دورِ صدارت میں اکادمی کی نیک نامی میں بے حد اضافہ ہوا۔ انھوں نے اُردو منچ کے زیرِ اہتمام ایک بین الاقوامی ادبی کانفرنس منعقد کی جس میں برِ صغیر ہند و پاک، بنگلہ دیش اور مغربی ممالک سے مندوبین نے شرکت کی۔ خلیل مامون بے حد متحرک اور فعال شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے ایک ادبی رسالہ 'نیا ادب' کے نام سے جاری کیا اور یہ 'سوغات' کے معاون مدیر بھی رہے۔ ان کے انتقال سے اُردو دنیا ایک بے حد فعال شاعر و ادیب سے محروم ہوگئی۔

سلیمان خمار کرناٹک کے ان شعرا میں شمار ہوتے ہیں جن کی شہرت مشاعروں کے حوالے سے بھی تھی اور وہ ادبی رسالوں میں تواتر کے ساتھ شائع ہونے والے شعرا میں سرِ فہرست بھی تھے۔ سلیمان خمار کا تخلیقی سفر پانچ دہائیوں سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ ان کے چار شعری مجموعے شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ سلیمان خمار پاکستانی رسائل میں بھی مسلسل شائع ہوتے رہے۔ انھیں خلیجی ممالک کے مشاعروں میں بھی بہ طورِ خاص مدعو کیا جاتا رہا۔ ان کی شاعری اپنے ہم عصروں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ سلیمان خمار محکمۂ تعلیمات میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ کرناٹک اُردو اکادمی کی رکنیت کے علاوہ دیگر تعلیمی اور ادبی اداروں سے ان کی وابستگی رہی۔ سلیمان خمار بے حد سادہ مزاج، ملنسار، نفاست پسند اور دوست نواز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی وفات سے کرناٹک میں اُردو شاعری کا ایک روشن ستارہ بجھ گیا۔

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ ان مرحومین کی رحلت پر بارگاہِ لم یزل میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالی انھیں غریقِ رحمت کرے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا کرے۔

ڈاکٹر محمد افتخار الدین اختر (نائب صدر انجمن ہذا) کے شکریے پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری

مولوی عبدالحق

قیمت: 500 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ و آثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-

عتیق مظفرپوری نے صحافت کو کبھی پیشہ نہیں سمجھا بلکہ عبادت کا درجہ دیا

جاوید رحمانی کی مرتّب کردہ کتاب ’عتیق مظفرپوری: حیات وخدمات‘ کی رسمِ اجرا کے موقعے پر مقررین کا اظہارِ خیال

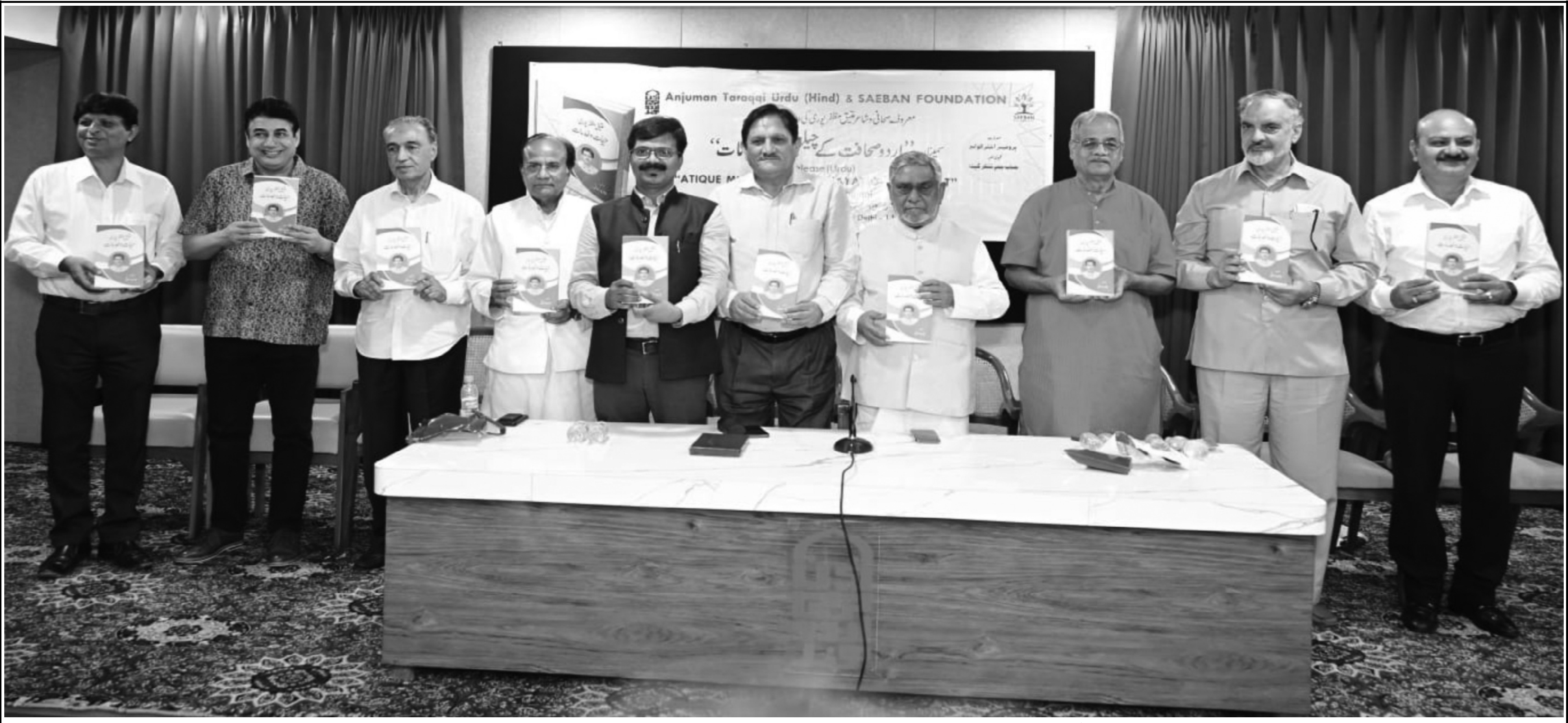

جاوید رحمانی کی مرتّب کردہ کتاب ’عتیق مظفر پوری : حیات و خدمات‘ کی رسمِ رونمائی کا ایک منظر

تصویر میں (دائیں سے بائیں): جناب حاجی قمرالدین، ڈاکٹر سیّد فاروق، جناب جے شنکر گپتا، پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر شہپر رسول، جناب جاوید رحمانی، جناب م.افضل، جناب سراج الدین قریشی، ڈاکٹر اطہر فاروقی اور جناب معین شاداب۔

نئی دہلی (18 اگست)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) اور سائبان فاؤنڈیشن کے اشتراک سے جناب جاوید رحمانی کی مرتّب کردہ کتاب ’عتیق مظفر پوری: حیات و خدمات‘ کا اجرا اردو ادب وصحافت سے وابستہ اہم ترین شخصیات کے ہاتھوں عمل میں آیا۔قابلِ ذکر ہے کہ جاوید رحمانی معروف صحافی وشاعر عتیق مظفر پوری کے فرزند ہیں جنھوں نے اپنے والد کی 9ویں برسی کے موقعے پر 400 صفحات پر مشتمل کتاب مرتّب کی ہے۔اس موقعے پر’اُردو صحافت کے چیلنجز اور امکانات‘ کے موضوع پر ایک سمینار کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں دانشوروں نے تفصیلی گفتگو کی۔ جاوید رحمانی نے تعارفی کلمات میں کہا کہ آج کا یہ جلسہ کئی معنوں میں اہمیت کا حامل ہے۔اس میں صحافت، سیاست اور ادب سے وابستہ بڑی اہم ترین شخصیات کی شرکت نے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ مرحوم عتیق مظفر پوری نے پوری زندگی اردو اور اردو صحافیوں کی آبیاری کی ہے۔

جلسے کی صدارت کرتے ہوئے پدم شری پروفیسر اختر الواسع صاحب نے کہا کہ مرحوم عتیق مظفر پوری ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔مرحوم نے اپنی پوری زندگی میں صرف کام پر یقین رکھا،کبھی شہرت کی تمنا نہ کی۔

سابق سفیر اور راجیہ سبھا ایم پی جناب م.افضل نے کہا کہ مرحوم عتیق مظفر پوری ہمارے اخبار سے لمبے عرصے تک وابستہ رہے۔عتیق مظفر پوری نے صحافت کو کبھی پیشہ نہیں سمجھا بلکہ وہ اسے عبادت کا درجہ دیتے تھے۔انھوں نے کہا کہ مرحوم بہت ساری چیزوں کو جاننے کا دعوا نہیں کرتے تھے لیکن اردو زبان پر ان کی گہری گرفت تھی۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے کہا کہ آج اردو گھر کے اوڈیٹوریم میں اتنی بڑی تعداد میں اردو ادب و صحافت سے وابستہ اہم ترین شخصیات کا یکجا ہونا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ مرحوم عتیق مظفر پوری کتنے نیک دل اور اصول پرست شخصیت کے مالک تھے۔

سینئر صحافی جناب جے شنکر گپتا نے موجودہ اردو صحافت کے چیلنجز اور امکانات پر اپنا کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ آج کئی معنوں میں صحافت آزاد نہیں ہے۔

مہمانِ خصوصی شاہد صدیقی صاحب نے کہا کہ مرحوم عتیق مظفر پوری بڑے اعلا درجے کے صحافی تھے۔آج جاوید رحمانی نے ان پر کتاب مرتّب کر کے ایک نیک بیٹا ہونے کا حق ادا کیا ہے۔

پروفیسر شہپر رسول نے کہا کہ عتیق مظفر پوری کی شاعری میں بڑی پختگی تھی۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین، ڈاکٹر سیّد فاروق، سراج الدین قریشی صاحب، پروفیسر محمد کاظم، زیڈ. کے. فیضان صاحب، مسعود خاں صاحب، حاجی قمر الدین اور ڈاکٹر ماجد دیوبندی نے عتیق مظفر پوری کی حیات وخدمات پر گفتگو کی۔ شاعر ڈاکٹر معین شاداب نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

تقریب کا آغاز مولانا نثار احمد حسینی نقشبندی کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔اس موقعے پر صحافتی، ادبی، سیاسی اور سماجی شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ افراد بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اہم شخصیات میں ڈاکٹر شعیب رضا وارثی، صحافی منّے بھارتی، صحافی معروف رضا، ڈاکٹر مشتاق انصاری، ڈاکٹر پرویز میاں، جاوید اختر وارثی، پروفیسر جسیم محمد، سکندر حیات صاحب، قمر الزماں صاحب، ڈاکٹر فہیم بیگ، ابصار الحسن صاحب، احتشام الحسن صاحب، صحافی انل مہیشوری، ایس ٹی رضا صاحب، ثاقب صدیقی صاحب، ڈاکٹر ہیڈ گیوار ہسپتال کے سی.ایم.او ڈاکٹر محمد عادل، مولانا جاوید قاسمی، مولانا عارف قاسمی، مولانا ساجد رشیدی، عابد انور صاحب، عبدالسلام عاصم صاحب، فاروق ارگلی صاحب، فیروز صدیقی صاحب، ظفر احمد صاحب، معروف شاعر شیو کمار بلگرامی، درگاہ حضرت نظام الدین اولیا کے سجادہ نشیں کاشف نظامی صاحب وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

☆☆☆

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***